کے منصب پر بھی فائز ہوئے۔ ضیاء الحق صاحب کی کابینہ میں مرکزی وزیر کی حیثیت سے انہوں نے فعال کردار ادا کیا۔ اور ضیاء الحق صاحب مرحوم کی بہت سے دینی خدمات میں ان کے شریک و سہیم رہے۔

ان کی فکری جولان گاہ کا ایک میدان صحافت بھی ہے۔ ایک دانشور، مفکر اور ماہر سیاست کی حیثیت سے ملک کے موقر جرائد اور مجلات میں ان کے مضامین مسلسل شائع ہوتے رہتے تھے۔ یہ مضامین بڑے مدلل اور عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق ہوتے تھے اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

عمر کے آخری حصہ میں بچوں کے کینیڈا منتقل ہوجانے کے بعد ان کا بیشتر وقت کینیڈا میں گذر رہا تھا۔ کینیڈا میں مولانا کا قیام وہاں کے مسلمانوں کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھا ایک داعی کی حیثیت سے خرابی صحت کے باوجود انہوں نے وہاں بڑی بھرپور زندگی گذاری۔ ریڈیو اور ٹی وی پر ان کی تقاریر کا ایک مربوط سلسلہ تھا۔ درس و تدریس سے وابستگی بھی قائم رہی درس قرآن، درس حدیث، عربی زبان کی تدریس کے علاوہ شاہ ولی اللہ کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا درس اہل کینیڈا کے لیے ایک بالکل نیا تجربہ تھا واضح رہے اسرار شریعت کے فلسفہ پر مشتمل شاہ صاحب کی یہ کتاب مولانا کی پسندیدہ کتابوں میں سر فہرست تھی منصورہ میں بھی مولانا یہ کتاب بڑے ذوق و شوق اور خاص انداز سے پڑھایا کرتے تھے۔

کینیڈا کے دوران قیام مولانا کو یورپ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے مسائل سے مکمل آگاہی ہوئی اور کسب معاش کے لیے ہجرت کرنے والے اس گروہ کے مستقبل کے بارے میں وہ ہمیشہ تشویش میں مبتلا رہے۔ پاکستان آمد کے موقع پر وہ اکثر غریب خانے کو رونق بخشتے تھے اور والد محترم حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی سے بھی کئی طویل نشستوں میں ہجرت یورپ کے متعدد پہلوؤں پر انہوں نے تبادلہ خیال کیا۔ دونوں حضرات کی یہ متفقہ رائے تھی کہ مستقل قیام کی غرض سے یورپ منتقل ہونا بڑے خطرات کا حامل ہے اور دینی اور دنیاوی اعتبار سے اسکیں بڑی مضرتیں ہیں۔ البتہ ایک داعی کی حیثیت سے وہاں کچھ وقت گذارنا اہل علم و دانش اور اصحاب تقویٰ کے لیے ضروری ہے۔ مولانا کے وہاں قیام کی غرض و غایت بھی یہی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ اہل کینیڈا کو مولانا کی موجودگی سے بہت فائدہ پہنچا اور وہ آخری دم تک فریضہ اقامت دین ان کا وہاں بھی مشن رہا۔ اور وہیں وہ آسودہ خاک بھی ہوئے۔

....

ایک عالم۔ ایک استاد۔ ایک سیاستدان

مولانا وصی مظہر ندویؒ

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

آہ! جید عالم دین، عربی ادب کے مایہ ناز استاد بلکہ استاذ العلماء اور مدبر سیاستدان، مولانا وصی مظہر ندوی ۲ جنوری ۲۰۰۶ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) انتقال کے وقت مولانا کی عمر بیاسی (۸۲) سال تھی۔ دو کئی ماہ سے بیمار تھے اور کینیڈا کے کسی اسپتال میں زیر علاج۔ تقریباً پانچ سال سے وہ وہیں رہائش پذیر بھی تھے۔ ویسے تو لکھنؤ آپ کا مولد تھا۔ مگر کینیڈا آپ کا مدفن بنا۔ آپ کی تعلیمی زندگی کا آغاز یوپی (بھارت) کے معروف علمی ادارے ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ہوا۔ دیگر ندوی علماء کی طرح آپ بھی معروف اور ثبت علمی شہرت کے حامل قرار پائے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مختلف اداروں سے بحیثیت استاد اور معلم وابستہ رہے۔ جن میں سب سے زیادہ وقت شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج منصورہ کے حصے میں آیا۔ آپ اس ادارے کے موسس بھی تھے۔ تقریباً بارہ سال تک آپ یہاں انتظامی اور تدریسی ہر دو فرائض نہایت حسن و خوبی سے انجام دیتے رہے۔

مولانا تعلیمی و تدریسی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ تصنیفی صلاحیتوں سے بھی کما حقہ بہرہ ور تھے۔ آپ نے ملک کے مختلف شہروں سے نکلنے والے اخبارات و رسائل میں متعدد علمی، معاشرتی اور سیاسی مسائل پر سنجیدہ مضامین لکھے۔ جو بلاشبہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ اگر ان مضامین کو یکجا کرکے کسی مجموعے کی شکل میں شائع کردیا جائے تو بلاشبہ یہ ایک علمی خدمت ہوگی ابلاغ عامہ کے طلبہ یہ کام بحسن و خوبی انجام دے سکتے ہیں بلکہ مولانا کی صحافیانہ زندگی پر تحقیقی کام کرکے ایم۔ فل یا پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری بھی

حاصل کر سکتے ہیں مولانا متعدد ہفت روزوں اور غالباً ماہناموں کے مدیر بھی رہے ہیں۔

مولانا نے اپنی زندگی کا قیمتی اور بیشتر حصہ، جماعت اسلامی میں صرف کیا۔ آپ مرکزی مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ، دونوں کے رکن رہے اور جماعت اسلامی (سندھ) کے جنرل سیکرٹری بھی۔ لیکن شاید زیادہ کھرے اور بے باک ہونے کے سبب ۱۹۷۶ء میں آپ کو جماعت اسلامی سے جبراً الگ کیا گیا۔ مگر آپ تو اپنی ذات میں خود ایک انجمن تھے۔ اس لئے جماعت سے الگ ہو جانے کے بعد آپ گوشہ خموشی میں نہیں چلے گئے بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط، متحرک اور موثر شخصیت کے روپ میں جلوہ گر ہوئے۔ مولانا فقط آسمان علم وفضل کے ہی تابندہ ستارے نہ تھے بلکہ تدبیر وسیاست کے بھی روشن ستارے تھے۔ لوگوں میں آپ کی ہر دلعزیزی اور جاذبیت ہی تو تھی کہ جس نے آپ کو بلدیہ حیدر آباد کا میئر بنوایا۔

۱۹۷۹ء، ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۵ء میں جب ملک میں غیر جماعتی بنیادوں پر الیکشن ہوئے تو بھی آپ حیدر آباد سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ کہاں علم وفضل کی جہانگیری اور کہاں کارزار سیاست کی آبلہ پائی۔ یہ دونوں چیزیں بہت کم لوگوں میں یکجا ہوئی ہیں اور مولانا انہی کم لوگوں میں سے ایک تھے۔

ملنے سے پہلے مولانا کا تذکرہ متعدد اصحاب علم وفضل سے سننے کو ملتا رہتا تھا۔ میرے پی ایچ۔ڈی کے استاد محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر سعید صدیقی نے مجھے وہ المناک واقعہ سنا رکھا تھا جس میں مولانا کا ایک کان ضائع ہو گیا تھا اور ظاہراً ایک کان کے حامل تھے البتہ سماعت دونوں کانوں کی درست تھی۔ خوب اتفاق ہوا کہ میں ایک دن، شیخ زائد اسلامک سینٹر کے ڈائریکٹر، پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالشہید نعمانی سے ملنے سینٹر چلا گیا۔ وہاں میں نے ایک بزرگ شخصیت کو جلوہ گر پایا۔ میری نگاہ جونہی انکے کان پڑی تو معاً خیال آیا کہ شاید یہ وہی ہستی گرامی ہیں کہ جن کا تذکرہ میرے استاد نے کیا تھا۔ بغیر کسی سابقہ تعارف کے میں نے از خود ان سے پوچھ لیا کہ کہیں آپ مولانا وصی ندوی تو نہیں۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر بقیہ گفتگو میں انتہائی توجہ اور دلچسپی کا مظاہرہ بھی فرمایا۔ یہ تھی مولانا سے میری پہلی ملاقات۔ اس ملاقات کی سب سے زیادہ دلچسپ اور یادگار بات، میرے لئے ان کا وہ جملہ تھا جو انہوں نے حضور اکرم مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے بیان فرمایا ان کے جملہ میں حضور ﷺ کی بے پناہ محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن تھا۔ فرمایا: یہ ساری کائنات حضور کے لیے بنی ہے آپ ہی مقصود کائنات ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ آج بھی اس جملہ کی لذت کو میں اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں اور جھوم جاتا ہوں۔

مجھے کیا خبر تھی کہ جس شخصیت سے آج میری پہلی ملاقات ہو رہی ہے آئندہ آنے والے کسی وقت میں ان سے کوئی یادگار ملاقات بھی ہونے والی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو پی ایچ۔ڈی کی

سند کے حصول کیلئے میرا زبانی امتحان تھا جس میں مولانا کو ممتحن مقرر کیا گیا تھا۔ شعبہ علوم اسلامی میں آپ پہلی بار اس حیثیت سے تشریف لائے تھے قبل ازیں آپ شعبہ عربی میں اس حیثیت سے تشریف لایا کرتے تھے۔ بہر حال آپ نے میرا امتحان لیا۔ بعد ازاں جو امتحانی رپورٹ جامعہ کراچی کے بورڈ آف ایڈوانس اسٹڈیز اینڈ ریسرچ، کو بھجوائی گئی، اسکی نقل میں نے بعد میں حاصل کر لی، اس رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں:

"آج ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ۔ رئیس کلیہ معارف اسلامیہ کے دفتر میں حافظ محمد شکیل اوج امیدوار برائے پی ایچ۔ڈی کا زبانی امتحان منعقد ہوا۔ مقالے سے متعلق متعدد سوالات کئے گئے اور یہ اندازہ ہوا کہ امیدوار نے نہ صرف یہ کہ مقالہ محنت سے تیار کیا ہے بلکہ وہ اپنی رائے قائم کرنے اور علمی تنقید کے دفاع کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں بعض جگہوں پر ان کی رائے سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن وہ بجا طور پر اپنے اس کام پر پی ایچ۔ڈی کی شہادت کے مستحق ہیں"۔

اس Viva Voci Exam کے بعد کلیہ معارف اسلامیہ کے دفتر میں ان کے لائق وفائق تلامذہ جو اپنے اپنے مقام پر ممتاز حیثیتوں کے مالک ہیں، جمع ہو گئے۔ پروفیسر ڈاکٹر اختر سعید صدیقی تو پہلے سے موجود تھے، پروفیسر ڈاکٹر حافظ احسان الحق، پروفیسر حافظ عبدالشہید نعمانی اور پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق منصوری بھی تشریف لے آئے۔ اختتام مجلس تک پروفیسر ڈاکٹر حسام الدین منصوری بھی پہنچ گئے۔ یوں روشن ستاروں کی ایک کہکشاں، اپنے ماہتاب کے گرد جمع ہو گئی بعد ازاں ہم سب نے ٹیبل پر ایک ساتھ چائے پی۔

اس مجلس سے فراغت کے بعد، میں نے مولانا کو اپنے گھر چلنے کی دعوت دی۔ جسے انہوں نے قبولیت بخشی، یہ قبولیت میرے استاد محترم کے لئے تعجب کا باعث تھی کیونکہ انکے خیال میں یہ بات مولانا کے مزاج کے بالکل خلاف تھی۔ مگر یہ خلاف مزاج امر ظہور پذیر ہو چکا تھا۔ مولانا کے حامی بھرنے کی وجہ سے ڈاکٹر اختر سعید صاحب انکار نہ کر سکے۔ یوں یہ سعادت میرے حصے میں رقم ہوئی، یہ ایک طویل ملاقات تھی جو کئی گھنٹوں پر مشتمل تھی۔ اس میں کئی موضوعات زیر بحث آئے۔ اس یادگار موقع کو محفوظ کرنے کیلئے میں نے کئی تصویریں بھی بنوائیں، جنہیں اب دیکھتا ہوں تو بہت سی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

مولانا گو معروف معنی میں میرے استاد نہ تھے مگر ممتحن ہونے کے ناطے میرے استاد ہو گئے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے انہیں اس دن سے اپنا استاد ہی مانا اور جانا تھا مجھے ان سے محبت ہو گئی تھی اور کیوں نہ ہوتی وہ تھے ہی اس لائق کہ ان سے محبت کی جائے۔ آج وہ ہم میں موجود نہیں لیکن ان کی یادیں انکی باتیں انہیں ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔

خدا بخشے، بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

تبصرہ کتب

التبیان فی علوم القرآن

مؤلف: استاذ محمد علی صابونی / مترجم: مولانا محمد ابراہیم فیضی
ناشر: القلم کراچی / سن طباعت: مئی ۲۰۰۵ء
صفحات: ۳۰۴ / قیمت: ۱۶۰ روپے
تبصرہ نگار: محمد اعظم سعیدی (قومی و ادبی انعام یافتہ ادیب)

التبیان فی علوم القرآن، فضیلۃ الشیخ محمد علی الصابونی استاذ کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ مکہ مکرمہ کی ان یادداشتوں پر مشتمل تالیف ہے جو انہوں نے افادۂ طلباء کے لئے تحریر فرمائی تھیں۔ مؤلف محترم نے اگرچہ اس تالیف کا سبب افادۂ طلبا مذکر فرمایا ہے مگر تفہیم قرآن کا ذوق رکھنے والا ہر فرد اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ عنوانات قرآن کی تفہیم و توضیح کے لیے جن علوم و عنوانات کو مدنظر رکھنا شرط ہے وہ جملہ عنوانات اس کتاب میں بالاختصار تحریر کر دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے اس کتاب کی جامعیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے اپنے نصاب میں شامل کیا ہے۔

التبیان فی علوم القرآن ۹ فصول پر مشتمل ۳۰۴ صفحات پر محیط ہے مؤلف محترم نے ہر فصل میں عنوان کی جامعیت کا اس طرح حق ادا کیا ہے کہ اسے کسی پہلو سے بھی تشنہ نہیں رہنے دیا۔ مثلاً فصل اول میں علوم قرآن کے زیر عنوان، علوم قرآن سے مقصود قرآن کی تعریف، فضائل قرآن، نزول قرآن کی ابتداء، اول و آخر نازل ہونے والی آیات جیسے سات عنوانات پر اگرچہ مختصر لیکن انتہائی جامع گفتگو کی گئی ہے۔ اس فصل میں ایک جدت یہ اختیار کی گئی ہے کہ حسب روایت فضائل قرآن تحریر کرنے سے پہلے علوم قرآن پر قلم اٹھایا گیا ہے اور بطور استشہاد احادیث رسول ﷺ کو لایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ علوم قرآن کا مقصد اس کتاب الٰہی سے متعلق کن کن امور سے بحث کرنا ہے۔ بعد ازاں قرآن کی تعریف و فضائل، آیات و احادیث کی روشنی میں تحریر کر کے ساتھ ہی قرآن مجید کے چند دیگر اسماء قرآنی آیات سے اخذ کر کے قلمبند کیے گئے ہیں، اسی طرح نزول قرآن کی ابتداء اور یہ کہ باعتبار نزول کے سب سے پہلی اور سب سے آخری آیت کون سی ہے اس پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اور آثار صحابہ و اقوال مفسرین سے یہ ثابت کیا ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۱ ہے اور سورۂ مائدہ کی آیت الیوم اکملت لکم دینکم ۔الخ۔ کے بارے میں جو عام شہرت ہے کہ وہ آخری آیت ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ تقریباً ۸۱ دن دنیا میں جلوہ افروز رہے۔ جبکہ سورۂ بقرہ

کی آیت ۲۸۱ کے نزول کے بعد آپ ﷺ صرف ۹ راتیں اس دار فانی میں قیام پذیر رہے۔ لہٰذا بہ اعتبار نزول آخری آیت واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ۔الخ۔ ہے نیز اس حوالہ سے مذکور تمام اشکالات کے مثبت و مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ مترجم فاضل محترم مولانا محمد ابراہیم صاحب فیضی نے فصل اول میں مذکور احادیث کی جو تخریج کی ہے اور قارئین کی سہولت کے لیے سورتوں کے نام اور آیات نمبر دیئے ہیں وہ پریس کی غفلت کے باعث دوربین سے بھی نہیں پڑھے جاتے یعنی دھبے موجود ہیں الفاظ غائب ہیں۔

فصل دوم۔ میں اسباب نزول کے زیر عنوان، اسباب نزول کی معرفت کے فوائد اور اسی قبیل سے چھ عنوانات قائم کر کے پہلے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسباب نزول سے آگاہی کے بغیر بعض آیات کی تفہیم اور اس میں موجود احکام کی معرفت ناممکن ہے اس لیے قرآنی آیات کے مفہوم و مقصود کو سمجھنے کے لیے اسباب نزول سے واقفیت از حد ضروری ہے۔ اس کی تائید میں بطور مثال پانچ مختلف آیتیں تحریر کی گئی ہیں۔ بعد ازاں سبب نزول کی تعریف اور اسکی معرفت کا طریقہ میں واضح کیا گیا ہے کہ محض خیال و رائے سے اسباب نزول کا ادراک ناممکن ہے۔ پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک ہی آیت کے متعدد اسباب نزول بھی ہو سکتے ہیں۔ اسکی تائید میں بطور استشہاد چند آیات کے متعدد اسباب نزول، احادیث سے نقل کیے گئے ہیں تاکہ قارئین کو اطمینان ہو۔ اس فصل کے آخر میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ نزول آیت کا سبب چاہے خاص ہو مگر اعتبار عموم لفظ کا ہی ہوگا۔ اس فصل میں بھی احادیث کی جو تخریج کی گئی ہے اور سورتوں کے نام و آیت نمبر وغیرہ کی طباعت بہت ہی ناقص ہے۔

فصل سوم۔ میں قرآن مجید کے بتدریج نزول کی حکمت کے زیر عنوان تقریباً سات عنوانات قائم کر کے اس موضوع کو بائیس صفحات میں سمیٹا گیا ہے۔ البتہ نزول قرآن کی کیفیت کے زیر عنوان جو دو سطریں تحریر کی گئیں ہیں وہ عنوان مذکورہ کے ضمن میں نہیں آئیں کیونکہ موجود مواد نزول اول و ثانی کے متعلق ہے۔ مگر نزول اول و ثانی کے حوالے سے جو حکمتیں اور آثار صحابہ جمع کیے گئے ہیں وہ میرے جیسے طالب علموں کے لئے بہت ہی مفید ہیں۔ اس میں بتدریج نزول قرآن پر کیے گئے اعتراضات کے شافی جوابات موجود ہیں۔ اور یہ بھی کہ بعض احکامات الٰہیہ اگر یکدم نافذ کر دیئے جاتے تو یہ مسلمانوں کے لیے سخت آزمائش ثابت ہوتے لہٰذا آیات احکام کے بتدریج نزول میں حکمت الٰہیہ مسلمانوں کو آسانی پہنچانا اور ان کی معاشرتی ناپسندیدہ عادتوں کو بتدریج حکیمانہ انداز میں ختم کرنا مقصود تھا۔۔۔ بعد ازاں نبی ﷺ پر عطائے قرآن کی کیفیت کے زیر عنوان یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جب آیات لے کر حاضر